OPEN ACCESS: "*EPISTEMOLOGY*"
eISSN: 2663-5828;pISSN: 2519-6480
Vol.7 Issue 8 December 2020

تہذیبِ اسلامی کے مطالعہ میں استشراقی اہداف واسباب

Aims and Motives of Orientalists in the Study of Islamic Civilization

Muhammad Habibullah
Ph.D Scholar, Dept. of Islamic Studies, The University of Lahore, Lahore.

Dr. Muhammad Samiullah
Assistant Professor, Dept. of Islamic Thought and Civilization, University of Management and Technology, Lahore.

Prof. Dr. Muhammad Amin
Professor, Dept. of Islamic Studies, The University of Lahore, Lahore.

Abstract: The Islamic Civilization is today and was in the past an amalgam of a wide variety of cultures, made up of polities and countries from North Africa to the western periphery of the Pacific Ocean, and from Central Asia to sub-Saharan Africa. Orientalists' motives while studying Islamic civilization are occasionally negative and they try to keep these motives secret. Their main purpose is not only to conduct a research study of Islam and its teachings, but also to obscure these teachings with doubts, to mislead Muslims and to prevent non-Muslims from accepting Islam by presenting a negative image of Islam to them. This article is an analytical review of orientalistic motives and aims which back their study of Islamic civilization specifically.
Key Words: Orientalism, Islamic Civilization, History of Islam.

تحریک استشراق کے حوالے سے مسلم مفکرین نے اس کے مثبت و منفی پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہوئے اس پر سیر حاصل مباحث لکھی ہیں۔البتہ دین اسلام کو بطور تہذیب مطالعہ کرتے ہوئے مستشرقین نے اس کے ثقافتی اور مقامیت کے پہلوؤں کو نظرانداز کرتے ہوئے اسے اپنا موضوع بحث بنایا ہے جس کے نتیجے میں کئی ایک فکری تسامحات، دیگر جہات کی طرح، تہذیب اسلامی پر استشراقی مطالعات میں موجود ہیں۔ زیر نظر مقالہ انہی تسامحات کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرتا ہے۔یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلامی مطالعات میں مستشرقین کے مقاصد بسااوقات منفی ثابت ہوئے ہیں اور متعصب مستشرقین کا مقصد اسلام اور اس کی تعلیمات کا صرف تحقیقی مطالعہ کرنا نہیں ہے بلکہ ان تعلیمات کو شکوک و شبہات سے دھندلا کرنا، مسلمانوں کو گم راہ کرنا اور غیر مسلم لوگوں کے سامنے اسلام کا منفی تصور پیش کر کے انہیں اسلام قبول کرنے سے روکنا ہے۔

ایڈورڈ سیدان مستشرقین کے منصوبوں کو ان الفاظ میں واضح کرتے ہیں:

> شرق شناسی ایک شعبۂ علم ہے، جس کی بنیاد پر مغرب میں مشرق کے بارے میں ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ایک رویہ متعین کیا جاتا ہے اور ایک نقطۂ نظر قائم کیا جاتا ہے گویا حصول علم، اور نئی کتابیں (مشرق کے بارے میں) دریافت کرنے کا ذریعہ ہے، پھر اس پر عملی کام بھی ہوتا ہے، اس کے علاوہ میں اس لفظ کو خوابوں، تصورات، خاکوں اور مجموعۂ الفاظ جو ہر کسی کے لیے ہیں اور مشرق سے متعلق مواد کا حامل سمجھتا ہوں۔[1]

ڈاکٹر مازن کے مطابق:

> "هدف تشوية الاسلاومحاولة تشكيک المسلمين فيہ، و تضليلهم عنہ وفرض التبعيۃللغرب عليهم ومحاولۃ تبرير هذه التبعيۃ بدراسات و نظريات تدعى العلميۃ والموضوعيۃ، تزعم التفوق العنصرى والثقافى للغرب المسيحى على الشرق الاسلامى۔[2]

"استشراق کا مقصد اسلامی مشرق پر اپنی نسلی اور ثقافتی برتری کے زعم میں، مسلمانوں پر اہل مغرب کا تسلط قائم قائم کرنے کے لیے ان کو اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات اور گمراہی میں مبتلا کرنا اور اسلام کو مسخ شدہ صورت میں پیش کرنا ہے۔"

ڈاکٹر زبیر لکھتے ہیں:

جرمن مستشرق روڈولف روڈی پارٹRudolf Rudi Paret (۱۹۰۱-۱۹۸۳ء) کا کہنا ہے کہ معاصر استشراقی جدوجہد کا مقصود دین اسلام کو باطل دین ثابت کرنا اور مسلمانوں کو دین مسیحیت کی طرف راغب کرنا ہے۔ روڈی پارٹ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ازمنہ وسطیٰ (Middle Ages) میں عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد علوم اسلامیہ کی طرف اس لیے متوجہ ہوئی کہ دین اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو مسخ کر سکے، کیونکہ ان کا یہ ذہن بن چکا ہوا تھا کہ جو دین بھی مسیحیت کے خلاف ہے، اس میں کوئی خیر نہیں ہو سکتی۔ اسلام کے غلبے کا خوف (Islam Phobia) مغرب میں اسلام کے پھیلاؤ کو روکنا اور عیسائی دنیا کو مسلمان ہونے سے بچانا بھی تحریک استشراق کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ اس مقصد کے تحت مستشرقین کی ایک بڑی تعداد نے اپنی تحقیقات کے ذریعے مسلمانوں اور اسلام کے بارے میں اہل یورپ کے دلوں میں نفرت، بغض اور تعصب کو جنم دیا۔[3]

اسلامی تہذیب کے حوالے سے ان کے چند بڑے مقاصد درج ذیل ہیں۔

1۔ مسیحیت کی تبلیغ واشاعت

اسلام کی وسعت اور اثر پذیری کو دیکھ کر یہود و نصاریٰ کو خطرہ محسوس ہوا کہ اگر اسلام اسی رفتار سے پھیلتا رہا تو ایک دن ان کے دین کا خاتمہ ہو جائے گا تو انھوں نے سوچا کہ ایک طرف اسلامی تہذیب وثقافت کے حوالے سے شکوک وشبہات کے بیج ڈالے جائیں اور اسے ناقص اور ناکام قرار دیا جائے۔ دوسری طرف یہودیوں اور عیسائیوں کو اسلام قبول کرنے سے روکا جائے اور تمام دنیا میں اپنے مذہب کی تبلیغ کی جائے۔

2۔ مسلمانوں کے تعصبات کو ابھارنا

اسلامی تہذیب وتمدن کے بارے میں اپنے منفی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے مستشرقین نے پادریوں کی تربیت کی اور مسلم ممالک سے اسلامی علوم کی کتابیں جمع کر کے ان میں سے ایسی کمزوریاں تلاش کرنے کی کوشش کی جس سے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کیا جاسکے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی ذات، خاندان، ازدواج، قرآن مجید، نزولِ وحی، احکام، احادیث، فقہ، سیرت صحابہ، غلامی اور جہاد وغیرہ کو ہدف بنایا اور ان میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ان موضوعات پر باقاعدہ کتابیں لکھیں گئیں۔ ساتھ ہی مسلمانوں میں اتحاد اور اخوت کو ختم کر کے ان میں مختلف نسلی، لسانی اور علاقائی تعصبات کو ابھارنا چاہا اور اس میں کافی حد تک کامیاب بھی رہے۔ مسلم امہ کی آج ایک دوسرے کی مخالفت میں مستشرقین کی کارفرمائیاں کسی نہ کسی حد تک شامل ہیں۔

3۔ اسلام کی مخالفت

اسلامی تہذیب کے مطالعے سے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے ضمن میں مستشرقین نے اس بات کو بھی عوام میں پھیلایا کہ مسیحیت ہی واحد صحیح دین ہے، اور اس پر مبنی معاشرت ہی انسانی فلاح کی ضامن ہے اور اسلام اس کا شدید دشمن ہے۔ امتِ مسلمہ ایک وحشی قوم ہے جس میں صرف جسمانی و نفسانی خواہشات پر توجہ دی جاتی ہے اور اس کا کوئی اخلاقی وروحانی نظام نہیں ہے۔ نہ ہی ان کی کوئی مستقل ومضبوط تہذیب ہے۔

4۔ اپنے افکار فاسدہ کی ترویج

مستشرقین نے اسلامی وتاریخی کتابوں کی نشر واشاعت بھی شروع کی تاکہ ان کے افکار ونظریات تیزی سے دنیا میں پھیل سکیں۔ پہلی مرتبہ اٹلی کے 'باتیتستا یا باتیستا' نامی فرد نے چھاپہ خانہ کی بنیاد 1568ء میں ڈالی۔ عربی کتابوں کی نشر واشاعت پر خاص توجہ دی گئی۔ ابن سینا کی اہم ترین کتابیں یہاں سے شائع ہوئیں۔ ان کتابوں کی نشر واشاعت کا مقصد دین اسلام کو کلیساؤں میں تعارف کرانا اور اس کے ذریعہ اسلام کا مقابلہ کرنے کی راہ ڈھونڈنا، مسلمانوں کی غیر معتبر کتابوں کو نشر کرنا، مسلمانوں کی مفید کتابوں سے فائدہ اٹھانا اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور تفرقہ پیدا کرنا، خصوصاً قرات قرآن کے بارے میں مسلمانوں کے مختلف نظریوں کو اچھال کر کے مسلمانوں کو آپس میں لڑانا تھا۔

5۔ علمی برتری

اہلِ مغرب اور مستشرقین کو اپنے سابقہ تجربات کی بنیاد پر علم ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کو جنگ وجدال کے ذریعے سے ختم کرنا، ناممکن نہ سہی لیکن مشکل ضرور ہے۔ اس لیے انھوں نے اب اپنے منصوبوں میں تبدیلی کی اور تعلیم کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں پر حملے شروع کیے۔ اس کے لیے انھوں نے مختلف طریقے اختیار کیے۔ استشراق کا سب سے بڑا مقصد مذہب عیسوی کی اشاعت و تبلیغ اور اسلام کی ایسی تصویر پیش کرنا ہے کہ مسیحیت کی برتری اور ترجیح خود بخود ثابت ہو اور نئے تعلیم یافتہ اصحاب اور نئی نسل کے لیے مسیحیت میں کشش پیدا ہو۔ چنانچہ اکثر استشراق اور تبلیغِ مسیحیت ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔"[4]

6۔ سیاسی مقاصد و محرک

اسلامی تہذیب کو مسخ کرنے کے لئے سیاسی دخل اندازی اور محرکات کو بھی سامنے رکھا جاتا ہے۔ سیاسی محرک میں یہ بات تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ اہل مغرب کا رویہ اسلام کے متعلق شروع ہی سے معاندانہ چلا آرہا ہے صلیبی جنگوں کی تلخ یادیں ابھی تک ان کے ذہنوں سے محو نہیں ہوئی تھیں۔[5]

سیاسی محرک یہ ہے کہ مستشرقین عام طور پر مشرق میں مغربی حکومتوں اور اقتدار کا ہراول دستہ (Pioneer) رہے ہیں۔ مغربی حکومتوں کو علمی کمک اور رسد پہنچانا ان کا کام ہے۔ وہ ان مشرقی اقوام و ممالک کے رسم و رواج، طبیعت و مزاج، طریق ماند و بود اور زبان و ادب؛ بلکہ جذبات و نفسیات کے متعلق صحیح اور تفصیلی معلومات بہم پہنچاتے ہیں؛ تاکہ ان پر اہلِ مغرب کو حکومت کرنا آسان ہو۔[6]

7۔ استشراقی لٹریچر سے منفی اثر

مستشرقین میں ایک ایسا گروہ بھی ہے جو اپنے مسیحی اور مغربی نقطۂ نظر سے اسلامی علوم اور اسلامی تہذیب و تمدن پر بے بنیاد حملہ کر رہا ہے، قرآن مجید، حدیث و تصوف، سیر و رجال، کلام و عقائد سب ان کی زد میں ہیں، نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یورپ کے اس رنگ کے لٹریچر سے اسلام کو کس قدر نقصان پہنچا ہے اور پہنچے گا، اگر یہ زہر اسی طرح پھیلتا رہا اور اس کا تریاق نہیں کیا گیا تو معلوم نہیں کس حد تک مسلمانوں کے دماغوں میں سرایت کر جائے۔"[7]

تحریک استشراق کا سب سے بڑا نقصان جو ملت اسلامیہ کو ہوا وہ یہ ہے کہ مسلم امت میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا جو مستشرقین کو اپنا سب سے بڑا خیر خواہ سمجھتا ہے اور ہماری زبان، تہذیب، تاریخ اور جملہ مشرقی علوم کو محفوظ رکھنا مستشرقین کی علم دوستی اور بے لاگ تحقیق کی دلیل سمجھتا ہے، جس کی وجہ سے آج قومی سوچ یہ بن گئی ہے کہ ہمارے نزدیک قابل اعتماد بات وہ ہوتی ہے جو کسی مستشرق کے قلم سے نکلی ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ مستشرقین کو اپنا مخلص قرار دیتے ہیں تو پھر ان کی کسی تحریر کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھنا ممکن ہی نہیں رہتا، ہماری اس سوچ کی وجہ سے ہمارے عوام وخواص کی اکثریت ان اصل عزائم ومقاصد سے بے خبر ہے جن کے تحت مستشرقین علوم اسلامیہ کی طرف متوجہ ہوئے تھے، اس صورت حال سے مستشرقین زبردست فائدہ اٹھا رہے ہیں اور وہ مسلمانوں کی طرف سے کسی قسم کے رد عمل کے خطرے کے بغیر ان کے دین، ان کے معزز رسول ﷺ اور ان کی ہر مقدس شے پر مسلسل وار کر رہے ہیں۔[8]

8۔ اسلامی تہذیب کی قطع وبرید اور اس میں تحریف

مستشرقین کی اسلامی تاریخ پر طبع آزمائی کا مقصد اس میں تحریف کرنا اور مسلمانوں کے ذہن میں شکوک پیدا کرنا ہے۔ اسی مقصد کے حصول کے لئے مستشرقین نے اسلامی تاریخ کی تحریف میں بہت زیادہ کوشش کی ہے اور جس سطح تک وہ اسلامی ثقافت اور تاریخ کی بنیادوں کو حقیقت سے دور کر کے پیش کر سکتے تھے، اس میں انہوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ تاریخ اسلامی کی مبادیات اور اس کے متعلق غلط معلومات کو پھیلا کر وہ دراصل یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ انسانی تہذیب کی تاریخ میں اسلام کا کوئی کردار نہیں۔[9]

حقیقت بھی یہی ہے کہ مستشرقین بہت عرصے سے اس مقصد کے حصول کے لئے تگ ودو کر رہے ہیں اور اسلام کے روشن زاویوں کو دھندلا کرنے کے درپے ہیں تاکہ وہ بنیاد جو جمہور مسلمان علما نے قائم کی ہے، اس کو گرا دیا جائے اور اسلامی تاریخ کی ایک نئی بے معنی شکل پیدا کی جائے۔[10]

9۔ اسلامی تہذیب کو بے بنیاد ثابت کرنا

اسلامی تہذیب کی قدر ومنزلت کو گھٹانے اور اسکی تحقیر کرنے اور عرب مسلمانوں کے تمدنی محاسن کے استخفاف کی خاطر مستشرقن اپنے طلبہ کو تربیت دیتے ہیں اور وہ مذہبی وثقافتی مظاہرہ کو عربی الاصل ثابت کرنے کی کوشش

کریں تاکہ علم وفکر کے رشتے اور عقیدت ومحبت کے جذبات مسلمانوں سے کٹ کر قدیم لاطینی اور یونانی اقوام کے ساتھ منسلک ہو جائیں۔[11]

10۔ مسلم نوجوان نسل کو اسلامی تہذیب سے بیگانہ کرنا

مستشرقین کا سب سے خطرناک مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کا دل ودماغ توحید، اخلاق، روحانیت اور ایمان سے عاری ہو کر اس تیز وتند ہوا کے سامنے آجائے جو تعلیم، صحافت، ادب، فلم اور لباس وغیرہ کے راستہ سے عام ہو رہی ہے، ان چیزوں کے مسموم اثرات سے ایسی نسل تیار کی جائے، جو تخریب اور بربادی کی طرف اس کو ترقی وتمدن کا نام دے اور اسلامی تاریخ وتہذیب اور اس کے اصول ومبادی کو مسخ کر کے مستشرقین ومبلغین کی پیروی کے اور ان ہی کی طرح اس دور کو حقیر اور کمتر خیال کرے، جو تاریخ عالم کی نمایاں اور مفید خدمت انجام دے چکا ہے، اور مسلمانوں کے دلوں میں بھی اس کے ناقص اور فروتر ہونے کا احساس وشعور پیدا کر دے۔

11۔ مغرب پسند قائدین کی حمایت

مستشرقین ایسے رہنماؤں اور قائدین کو نمایاں اور ممتاز قرار دیتے ہیں جو رسول اللہصلی اللہ علیہ وسلمکے قائدانہ اوصاف اختیار کرنے کے بجائے فکری، اعتقادی اور اجتماعی حیثیت سے مغربی قائدین کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ عالم اسلام میں جہاں تک اہل اقتدار اور طبقہ امرا کا تعلق ہے یہ بالعموم مغرب کے زیر اثر ہے۔ یہ لوگ اکثر وبیشتر اس کوشش میں رہتے ہیں کہ اصلی اسلام کے بجائے مستشرقین اور عیسائی مشنریوں کا لندن اور امریکہ میں تیار کردہ اسلام کا ایک جدید، لبرل اور ترقی پسند ایڈیشن پیش کیا جائے۔[12]

12۔ مسلمانوں کی پس ماندگی کی غلط وجوہات کا پرچار

مستشرقین علماء عرب اور دنیائے اسلام کو پس ماندگی اور بدحالی سے ہمکنار کر کے اس پر اظہار ہمدردی کرتے ہیں اور پھر مسلمانوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ ان کی پس ماندگی کا سبب اسلام کی پیروی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہے، اس کے لیے وہ بے شمار الزامات گھڑتے ہیں۔ مستشرقین نے ایک منصوبے کے تحت حقائق کو اپنے زاویہ نگاہ سے دیکھا اور مختلف جہتوں سے الزام تراشی کی اور انھوں نے جو خاص طرز وانداز اپناتے ہوئے غلط، بے بنیاد قصے کہانیاں اور روایتیں نقل کی ہیں اس سے عوام کے ساتھ خاص لوگ جن کا اسلام کے ساتھ گہرا تعلق ہے، وہ بھی متاثر نظر آتے ہیں، ہمارے علمی حلقوں کا

اس طرح متاثر ہونا بڑے خطرے کی علامت ہے، جو کہ آنے والی نئی نسل پر بدترین اثرات مرتب ہونے کا سبب بن سکتے ہیں۔

13۔اسلامی تہذیب میں علاقائی عصبیت اور قوم پرستی کو پروان چڑھانا

موجودہ دنیا میں تمام تر علمی و سائنسی ترقی اور ذہنی و فکری ترفع کے باوجود نسل پرستانہ قومیت (Racial Nationalism) کا جذبہ سب سے زیادہ طاقتور اور مؤثر ہے. عہد حاضر میں اس کی دو نمایاں ترین مثالیں جرمن نیشنلزم اور یہودی نسل پرستی کی صورت میں موجود ہیں. جرمن قوم میں اپنے بارے میں ایک اعلیٰ اور برتر نسل (A Superior Race) ہونے کے احساس نے اتنا جذبۂ عمل اور قوتِ مقاومت پیدا کر دی ہے کہ ہماری نگاہوں کے سامنے بیسویں صدی عیسوی کے دوران جرمنی دو بار شدید ترین تباہی سے دوچار ہوا، لیکن دونوں مرتبہ چند ہی سال کے اندر اندر پھر نہ صرف یہ کہ دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا بلکہ دوسری ہمعصر اقوام اور آس پاس کے ممالک کا ہر اعتبار سے ہمسر ہو گیا بلکہ بعض اعتبارات سے اُن سے بھی بازی لے گیا. اِسی طرح یہودی قوم میں بنی اسرائیل کے ”خدا کی منتخب اور پسندیدہ قوم (Chosen People of the Lord)“ ہونے کے احساس نے مقاومت اور مدافعت کی اتنی صلاحیت اور اپنی برتری کے بالفعل اظہار (Assertion) کے لیے بے پناہ محنت اور جدوجہد کا جذبہ پیدا کر دیا ہے کہ تاریخِ انسانی کے دَوران بارہا انہیں شدید ترین جبر وتشدد (Persecution) کا سامنا کرنا پڑا، اور بعض مواقع پر تو اِن کے ”استیصال (Annihilation)“ اور کلی اور مجموعی خاتمے (Mass Extermination) کی ایسی سرتوڑ کوششیں ہوئیں کہ جن کی کوئی دوسری مثال تاریخ انسانی میں بمشکل ہی مل سکے گی، اِس سب کے باوجود وہ آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔

اسی طرح نسلی قوم پرستی کے بعد موجودہ دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور قومی جذبہ (Potent Nationalism) لسانی قوم پرستی (Linguistic Nationalism) کی صورت میں نظر آتا ہے.
اس کی بھی دو مثالیں قابل توجہ ہیں: ایک عرب نیشنلزم اور دوسرے بنگلہ نیشنلزم.

عرب نیشنلزم جو ماضیٔ قریب میں عالم عرب میں ایک زبردست قوت کی حیثیت سے موجود رہا ہے اصلاً ایک لسانی نیشنلزم ہے. اِس لیے کہ اس کی اساس نہ مذہب پر ہے نہ نسل پر، بلکہ صرف اور صرف زبان پر ہے. چنانچہ

اس کے حلقہ بگوش اور علمبردار صرف مسلمان ہی نہیں رہے ہیں بلکہ دانشوروں کی سطح پر اس میں زیادہ بھاری پلڑا عیسائیوں کا رہا ہے، حتیٰ کہ یہودی بھی اس میں شریک رہے ہیں. پھر اس میں نسل کی بھی کوئی تخصیص نہیں ہے اِس لیے کہ شمالی افریقہ کے باشندوں میں جہاں عرب آبادکاروں کی اولاد شامل ہے، وہاں قدیم قبطی اور بربر نسل کے لوگ بھی موجود ہیں. لیکن اِس سب کے باوجود محض زبان کے اشتراک نے اِن سب میں مشترک قومیت کا احساس پیدا کیا اور خواہ اُس کے اساسی فلسفے سے ہمیں کتنا ہی اختلاف ہو بہر حال یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ عالم عرب نے یورپی استعمار کے خلاف جو جدوجہد کی اور جس کے بل پر اس استعمار کا جوا اپنے کندھوں سے اُتار پھینکا، اُسکی اصل اساس اِسی لسانی قوم پرستانہ جذبہ پر تھی.

اِسی طرح پاکستان کے دولخت ہونے میں جہاں منفی طور پر اولاً بے مقصدیت اور بے یقینی کے خلاء اور بعد ازاں مارشل لاء کے رد عمل کو دخل حاصل ہے، وہاں مثبت طور پر جو ہتھیار سب سے زیادہ کارگر اور جو وار سب سے بڑھ کر کاری ثابت ہوا وہ بنگلہ نیشلزم کا تھا جس کی اساس بنگلہ زبان پر قائم کی گئی تھی.

اس قسم کی چیزوں کا آغاز مستشرقین کی جانب سے اسلامی یونیورسٹیوں کے مختلف شعبہ جات سے کیا جاتا ہے۔اس طریقہ کار میں مستشرقین ان جامعات کے ذریعے طلبہ اور پھر مختلف لسانی اور ثقافتی حلقوں سے ہوتے ہوئے اسلامی قومیتوں تک اس زہر کو پہنچاتے ہیں اور اس کے مادی وسیاسی فوائد بیان کرتے ہوئے انہیں اس کے فروغ کے لئے راضی کرتے ہیں۔ان کی فکری تربیت کی جاتی ہے جس کا نتیجہ لامحالہ مسلم معاشروں اور تہذیب کے مظاہر میں نسلی تنازعات اور لسانی فرقہ واریت کی صورت میں نکلتا ہے جو اسلامی دنیا کے اندر پہلے سے موجود تنازع انکو بڑھاوا دیتے ہوئے معاشرے میں پھیلی انارکی میں اضافہ کردیتے ہیں۔

اسی طرح کی ایک مثال ترکی کی ہے کہ جہاں ترکی کے قوم پرست لیڈر ضیا گوک الپ پر مستشرقین نے محنت کی اور اس کے نتیجے میں اس کے فکر و سوچ بدلی، وہ کسی بھی قسم کی اچھائی اور برائی کی تمیز کرنے کے لئے یورپ اور امریکہ کی مکمل نقل کا خواہاں تھا، اس نے عالمگیر اخوت اسلامی کے تصور کو مغربی تصور قومیت سے متصادم قرار دیتے ہوئے مسترد کردیا۔وہ کہا کرتا تھا کہ ترکوں کو اپنی سرزمین کو ہر چیز پر مقدم چاہیئے، ان کے لیے حب الوطنی سے بڑھ کر کوئی اخلاقیات نہیں ہے۔[13]

14۔تاریخی اور ثقافت کی بنیاد پر رجحانات کا فروغ

اپنی تحریروں اور کوششوں سے مسلم تہذیبی معاشروں میں اس سوچ کو فروغ دینا کہ تہذیب و مذہب کچھ بھی نہیں ہے بلکہ آباءواجداد کی تاریخ ہی سب کچھ ہے، مذہب کوئی چیز نہیں ہے، اور انسان اپنی تاریخ خود بناتا ہے، اس لئے عقائد وافکار اور اقدار کی کوئی مضبوط حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ زمانے کے ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

15۔اسلامی تہذیبی معاشروں میں عرب، مسلم اور مشرقی جدیدیت پسندوں کی سرپرستی

یہ ایک مقصد ہے کہ جو لوگ مستشرقین کے افکار و نظریات کی پیروی کرتے ہوئے اور ان سے متاثر ہو کر جدیدیت کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں انہیں مستشرقین کی جانب سے ہر سطح پر آگے لایا جاتا ہے، وہ مغربی جدیدیت کی تبلیغ کرتے ہیں، جو علم کے ساتھ ایک خاص دوری کو قائم کرتی ہے، خاص طور پر مذہبی روایت، جو فطری مذہب، عقل اور الہامی مذہب کی بنیاد پر ہوتی ہے، کی جگہ لے لیتی ہے، اس کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ اہل مشرق و عرب سے ان کی بنیادی شناخت چھین لی جائے اور اس کے بعد ان کی شناخت ان کی اپنی تہذیب سے نہ ہو بلکہ مغربی تہذیب اور ان افکار سے ہو جو مستشرقین نے ان افراد کے ذہنوں میں انڈیل دیئے ہیں۔

15۔اسلامی فکری اور سیاسی حلقوں میں مغربی سیکولرازم [مادیت پسندی کے لحاظ سے] پھیلانا

مستشرقین کا ایک اور مقصد یہ بھی ہے کہ اپنی کوششوں سے اسلامی فکری اور سیاسی حلقوں میں مغربی سیکولرازم کو پھیلا دیا جائے۔ دور حاضر میں سیکولرازم کے نظریے کو ایسا زبردست فروغ حاصل ہوا کہ امریکہ اور یورپ کے ممالک کی حکومتوں نے اس کو ریاستی اور سیاسی امور میں بنیادی نظریے کے طور پر تسلیم کر لیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس نظریے کا فروغ متعدد ممالک میں ہو چکا ہے۔ سیاست سے قطع نظر سماجی اور فکری میدانوں میں بھی اس نظریے کے اثرات کا غلبہ اتنا زیادہ ہو گیا ہے کہ عہد حاضر میں بھی روشن خیالی اور سیکولرزم کو لازم وملزوم سمجھا جانے لگا ہے۔

سیکولرازم محض ایک اصطلاح نہیں بلکہ ایک سوچ، فکر، نظریہ اور نظام کا نام ہے۔ اگر اس کے معنی و مفہوم کو متعین کرنے کی بحث کی جائے تو اس ضمن میں جو دشواریاں اور رکاوٹیں سامنے آتی ہیں اس کا سبب 'سیکولرازم' کا مختلف ادوار میں ترمیم و تجدید اور تخفیف و تعویل کے مراحل سے گزرنا ہے۔ مغربی مفکروں، دانشوروں، ادیبوں، فلسفیوں اور ماہرینِ عمرانیات کے مابین سیکولرازم کے مباحث میں مختلف النوع افکار و خیالات پائے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ سیکولرازم کا کوئی

ایک رنگ نہیں، یا اس کا کوئی ایک ہی ایڈیشن نہیں۔ یہ کبھی یکسر مذہب کا انکار کرتا ہے اور کبھی جزوی اقرار۔ کلّی سرکشی و بغاوت سیکولرازم کا ایک ڈھنگ ہے تو مذہب کا ذاتی و شخصی معاملہ ہونا اس کا دوسرا ڈھنگ۔ انفرادی سطح پر مذہب کو قبول کرنا اور اجتماعی (معاشی، سیاسی اور ریاستی) سطح پر اسے رد کر دینا سیکولرازم کا جدید اسلوب ہے۔ اس کے علاوہ زندگی کو خانوں اور دائروں میں بانٹ کر "کچھ قیصر کے لیے اور کچھ کلیسا کے لیے" مختص کر دینا بھی اسی سوچ اور فکر کے نتائج ہیں۔ دراصل 'سیکولرازم' مغرب کا تجربہ ہے جسے مغربی معاشروں نے صدیوں کی کشمکش کے بعد اختیار کیا ہے، اور اس نظریے کے فروغ کے لیے انہوں نے جارحانہ پالیسی اپنائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیکولرازم کا آغاز و انجام مادیت و حسیت ہے۔ مغربی معاشرے 'سیکولرازم' کے نتیجے میں مادیت اور حسی لذتوں کے حصول کی جدوجہد کا نمونہ ہیں۔ یہی مادی اور حسی کلچر وہ پوری دنیا میں بزور نافذ کرنا چاہتے ہیں۔[14]

اس کے لئے مستشرقین بھی اپنی حکومتوں اور اداروں کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں اور ان کا مقصد اسلامی تہذیب پر مبنی معاشروں میں رہنے والے افراد کی زندگی سے اسلامی حرمت و تقدس کو دور کرنا اور ان کی زندگی پر اثر انداز ہونے والے مذہبی اختیار و اثر کو بتدریج ختم کرنا ہے۔ اس کے لئے سیکولر مغرب مختلف حیلے اختیار کرتے ہوئے ثقافتی اور سیاسی لحاظ سے اسلامی مشرق کو اپنے سیکولر بلاک میں شامل کرنے کی کوششوں میں مصروف رہتا ہے۔

16۔ گمنام اور غیر معروف فرقوں کو ملحدانہ سوچ کے ساتھ ابھارنا

مستشرقین کے اسلامی تہذیب پر کام کرنے کے مقاصد مین سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہ اسلامی معاشرے میں پائی جانے والی ایسی تحریکوں یا آراء کو فروغ دیتے ہین جو غیر معروف اور گمنام ہوتی ہیں۔ ایسے افراد کو وہ اپنی ذہنیت میں ڈھال کر معاشرے کے سامنے لاتے ہین تا کہ معاشرے کو فکری اعتبار سے تقسیم کیا جا سکے اور ان لوگوں کو مظلوم ظاہر کر کے اکثریت کو ظالم قرار دیا جا سکے۔ یہ کام وہ اندرونی و بیرونی طور پر کرتے ہیں، اس طرح مسلمانوں کے اتحاد کو تقسیم کر کے ان کو تہذیبی طور پر تقسیم در تقسیم کے زہریلے عمل میں بھینک دیتے ہیں اور مسلمانوں میں قومیت و فرقہ واریت کو فروغ دیتے ہیں۔

17۔ مغربی تہذیب کے متضاد بیانیوں اور افکار کا اسلامی فکر میں تبادلہ

اسلامی تہذیب و تمدن پر استشراقی تحقیقات کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ جن فکری تضادات اور ثنویت کا شکار مغربی تہذیب ہے بلکہ جنہیں وہ اپنا اختصاص وامتیاز سمجھتے ہیں انہیں اسلامی فکر میں منتقل کیا جا سکے۔اس سلسلے میں ان کے مد نظر جو اہم افکار ہیں ان میں مذہب اور ریاست کے مابین فرق و تضاد، سائنس اور مذہب کے درمیان دوری، دنیا اور آخرت کے درمیان ہونے نہ ہونے کی بحث اور ان کا تعلق اور فرد اور کل کے درمیان کے فلسفیانہ ابحاث شامل ہیں۔

18۔ مغربی کلیسائی نظریات کے مسائل اسلام میں منتقل کرنا

استشراق کا ایک مقصد جہاں اسلامی تعلیمات کو نشانہ بنانا ہے وہاں ایک مقصد اس سے عیسائیت کی ثقاہت کو بیان کرتے ہوئے لوگوں کو اس کی طرف دعوت دینا بھی ہے نیز اسی بنیاد پر عیسائی نظریات کو مسلم عوام میں منتقل کرنا بھی ان کا اہم مقصد رہا ہے۔مثال کے طور پر وہ اس مقصد کے حصول کے لئے قرآنی وحی کی الوہیت پر سوال اٹھاتے ہیں،، سنت کی ساکھ کو مختلف الانواع اعتراضات سے مجروح کرتے ہیں، اسلام کو دیگر سامی مذاہب کا چربہ قرار دیتے ہیں اور سب سے بڑھ کر اسلامی قانون کو رومی قانون کی عربی شکل یا ورژن کے طور پر پیش کرتے ہیں۔اس مقصد کے حصول کے لئے ان مستشرقین نے اپنے تراجم قرآن تک میں عیسائی مذہبی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔مثال کے طور پر اگر آربری کا ترجمہ دیکھا جائے تو بہت سی آیات کے ترجمے میں آربری عیسائی اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔مثلاً سورۃ فاتحہ کی آیت نمبر ۴ میں يَوْمِ الدِّيْنِ کا ترجمہ وہ Day of Doom یعنی ''ہلاکت کا دن'' سے کرتا ہے۔جب کہ دینیہاں جزاو حساب کے معنی میں ہے نہ کہ ہلاک کے جو Doom کے کلمے سے مفہوم ہوتے ہیں۔

اسی طرح آربری لفظ (فرقان) کا ترجمہ Salvation یعنی نجات یا چھٹکارا پانا سے کرتا ہے جو عیسائیت کی ایک خاص اصطلاح ہے۔یہ لفظ قرآن میں ہر جگہ ہے۔مثلاً سورہ بقرۃ کی آیت ۵۳ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ اور سورہ انفال کی آیت ۴۱ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ ،قرآن کی سورت فرقان کے عنوان اور اسی سورت کی پہلی آیت میں ہے:تَبَارَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ۔

کلمہ فرقان کا مطلب ہے ہر وہ چیز جو حق و باطل کے درمیان فرق اور تمیز کرے یا ایسی چیز جو دو اشیا کے درمیان فرق کرے اور یہ قرآن کا ایک نام بھی ہے۔اس سے ہر گز مراد نجات یا چھٹکارا پانا نہیں ہے۔آربری یہاں Salvation کا لفظ

معانی میں تحریف کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس نے بیل کے خیال سے استفادہ کیا ہے اور اس سے متاثر ہوتے ہوئے یہاں یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ بیل کے گمان کے مطابق فرقان کا لفظ اصل سریانی زبان میں نجات کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور یہ خیال باطل ہے۔[15] آر بری سورہ انفال کی آیت ۶۲ میں ھُوَ الذِیۡ اَیَّدَکَ بِنَصۡرِہٖ کا ترجمہ یوں کرتا ہے:

.He has confirmed thee with His Help

یہاں "اَیَّدَ" کے معنی اس نے ثابت کر دیا، یا اپنی مدد کو سچا کر دکھایا۔ جب کہ درحقیقت اید کا لفظ مدد کرنے یا مضبوط کرنے کے معنی میں مراد لیا جاتا ہے، ثابت کرنے یا سچ کے معنی میں نہیں لیا جاتا جس کے معنی معتاد Confirmation/Confirm ہیں۔ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے :

He it is who aided you.

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کلمہ "Aid" دراصل عربی کلمے "اید" سے ہے، جس کی طرف اشارہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آر بری "الذی" کا معنی ترجمے سے حذف کر دیتا ہے اور لکھتا ہے He has، بجائے He it is who has لکھنے کے۔ دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ Confirmation/ Confirm کے کلمے سے عیسائیت کی اصطلاح میں "متعین شعائر کے راستے دین پر ثابت قدمی" مراد لی جاتی ہے اور اس معنی کو آر بری قرآن میں مستعمل لفظ "اید" اور اس کے مشتقات کے معنی میں استعمال کرتا ہے۔ مثلاً سورئہ بقرہ کی آیت ۸۷ اور ۲۵۳ میں، سورئہ آل عمران کی آیت ۲۲ میں، سورہ انفال کی آیت ۲۶ میں، سورہ توبہ کی آیت ۴۰ میں، سورہ مجادلہ کی آیت ۲۲ میں اور سورہ صف کی آیت ۱۴ میں۔[16] اس تمام سرگرمی کا مقصد معانی میں بگاڑ پیدا کرنا ہے۔

بعض اوقات آر بری اپنی جانب سے بھی کوئی کلمہ دیگر عربی کلمات کے ترجمے یا معنی کے لئے استعمال کرتا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ ابراہیم کی آیت ۲۷ یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ کا ترجمہ جو آر بری نے کیا ہے:

.God Confirms those who believe with the firm word

یُثَبِّتُ کے کلمے کا معنی یہاں مضبوط کرنا اور ممکن کرنا ہے اور اس کا ترجمہ "Confirm" کے لفظ سے کرنا التباس کی ایک صورت ہے۔ اسی طرح وہ سورہ قیامہ کی آیت ۳۱ فَلَا صَدَّقَ وَ لَاصَلّٰی کا ترجمہ کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے:

For he confirmed not, and did not pray

یہاں وہ کلمہ ''صَدَّقَ'' کا ترجمہ Fonfirmed سے کرتا ہے لیکنیہ عبارت یہاں صحیح معنی میں نہیں ہے بل کہ اس کا معنی ہے ''ایمان اور یقین'' اس لئے کہ کافر کے لئے ممکن نہیں کہ وہ کسی بات کی تثبیت وتصدیق کرے۔ایک اور جگہ جہاں آربری کلمہالذی کو ترجمے سے حذف کرتا ہے اور سورہ انفال کی آیت ۶۲ کے ترجمے میں اپنی طرف سے لفظ ''صدق'' کی طرف 'ہ' ضمیر کی نسبت کرتا ہے، وہ لکھتا ہے: He confirmed it not۔ بہر حال وہ تینوں کلمات اید، یثبت اور صدق کا ترجمہ ایک ہی عبارت سے کرتا ہے اور وہ "Confirm" ہے۔ اگر ان تمام مقامات پر سیاق و سباق اور موضوع کو مدنظر رکھا جاتا تو لا محالہ ترجمے میں مختلف الفاظ کا استعمال کیا جاتا لیکن آربری نے ایسا نہیں کیا، اس وجہ سے نہیں کہ انگریزی زبان کا دامن الفاظ تنگ تھا بل کہ اس لئے کہ اس کے سامنے ایک مقرر شدہ ہدف تھا جسے اس نے پورا کرنا تھا، اس معاملے میں آربری دیگر تمام معاصر سے آگے ہے۔

اسی طرح آربری سورۃ النحل کی آیت ۱۰۲ قُلْ نَزَّلَہُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّکَ کا ترجمہ اس طرح کرتا ہے:

Say, The Holy spirit sent it down from thy Lord.

کہہ دو کہ اسے روح القدس نے تمارے رب کی طرف سے بھیجا ہے۔ روح القدس جبرئیل کا دوسرا نام ہے اور وہی یہاں مفہوم ہے لیکن آربری دو پہلوؤں سے معنی تبدیل کرتا ہے۔ روح کے کلمے کو معرفہ بناتا ہے اور دونوں کلموں کو بڑے حروف کے ساتھ شروع کرتا ہے۔ S اور H کے ساتھ، تاکہ وہ الروح القدس کا مفہوم دے سکیں۔[17] نزل کے کلمے کا غلط ترجمہ (sent down) سے کرتا ہے بہ جائے (Brought down) سے کرنے کے جو اس کلمے کا صحیح معنی ہے۔ اس کے بعد کی عبارت من ربہ (اس کے رب کی جانب سے) کو دیکھئے تو بات واضح ہو جاتی ہے۔

قرآن کے معانی کو بگاڑنے کے لئے مسیحی عبارات واصطلاحات کے استعمال کییہ چند مثالیں ہیں۔

19۔جدید تعلیم یافتہ طبقے کو اپنا ہم نوا بنانا

استشراقی تحقیقات کا ایک اہم مقصد جدید تعلیم یافتہ افراد کو مادیت کی بنیاد پر مائل کرنا ہے اور پھر ان کی فکری نوعیت کو تبدیل کرتے ہوئے اپنا ہمنوا بنانا ہے۔ جدید تعلیم یافتہ دانشور اور سکالرز مستشرقین کی ہم نوائی میں اس تصور کے حامی ہو

گئے کہ ترقی و تبدیلی، جو کہ قانون ارتقا کا جزو لاینفک ہے کو اسلام پر بھی لاگو ہونا چاہیئے اور قدیم اسلام کی جگہ ایک جدید لبرل اسلام کو سامنے لانا چاہیئے۔

> "Just as the Martin Luther broke down the barriers of dogma in Christianity and Moses Mendelssohn south the bring a progressive reformed version of Judaism to the jews, so Islam Must also be recognize and given its place the by the orthodox."18

مصر کے معروف دانشور اسکالر ڈاکٹر طہ حسین نے مصریوں کو مغربی تہذیب اپنانے کی پرزور دعوت دی، وہ کہا کرتے تھے کہ مصری زندگی اپنے مظاہر کے اختلاف کے ساتھ خالص مغربی ہے اور مصر کو مشرق کا حصہ اور مصری فکر کو ہندوستان یا چین کی طرح مشرقی فکر کہنا کم عقلی اور سطحیت ہے۔ ہمیں اہل یورپ کے طریقے پر چلنا ہے، اور انہی کی سیرت وعادات کو اختیار کرنا ہے، در حقیقت عصر حاضر میں ہمیں یورپ سے ایسا رابطہ اور قرب چاہیے جو روز بروز بڑھتا رہے یہاں تک کہ ہمیں لفظ اور معنی حقیقت اور شکل ہر اعتبار سے یورپ کا ایک حصہ بن جائیں۔19 ڈاکٹر طہٰ عربی ادب کو دینی علوم کے تعلق سے یکسر آزاد کر دینے کے حامی ہیں، وہ اس سلسلہ میں تحقیق پر، قومی احساسات اور مذہبی رجحانات ومیلانات کو بالائے طاق رکھ کر اس فلسفیانہ طریقہ کا اطلاق کرنا چاہتے ہیں، جس کی ابتدا ڈیکارٹ نے کی تھی،20 ڈاکٹر صاحب اس بات سے انکاری ہیں کہ کعبہ کی بنیاد ابراہیم اور اسمٰعیلؑ نے رکھی تھی، بلکہ ان کے نزدیک تاریخ میں یہ دونوں وجود ہی نہیں رکھتے، آپ کے خیال میں قرآن کی سات مشہور قراتیں بھی حضور ﷺ سے ماخوذ نہیں ہیں۔21

اختتامیہ

اسلامی تہذیب عالمی تہذیبوں میں سے ایک ایسی تہذیب ہے جو اپنے آغاز کے دور سے تاحال اپنے نہ چاہنے والوں کے ستم کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ اس کی وجوہات متعدد ہیں لیکن اس کی سب سے بڑی وجہ اسلامی تہذیب کا لچکدار ہونا ہے جس کی بنا پر اس تہذیب میں کوئی بھی آنے والا اپنے آپ کو اس میں ضم کر لیتا ہے۔ اس کی ایک اور چیز اس کا اللہ تعالیٰ کی تعلیمات پر استوار ہونا ہے جو اس کے پروردہ لوگوں کی دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی کا ضامن ہے۔ مغربی تہذیب کے مخالفین نے جہاں اس کا راستہ روکنے کے لئے ظلم وستم کو آزمایا ہے وہاں فکری اور علمی طور پر استشراق کو پروان چڑھا کر اسلامی تہذیب پر علمی اور فکری وار بھی خوب کئے ہیں اور یہ سلسلہ تاحال مختلف انداز میں جاری ہے۔ ان ہی استشراقی اہداف واسباب کا ایک جائزہ مندرجہ بالا سطور میں لیا گیا ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ استشراق چاہے معتدل انداز میں خود کو ظاہر کرے یا

متعصبانہ انداز میں، لیکن اس کا مقصد در اصل اسلامی تہذیب اور اس کے مظاہر کی بیخ کنی ہے چاہے اس کے لئے اختیار کیا جانے والا راستہ علمی، فکری اور اخلاقی اعتبار سے غلط ہی کیوں نہ ہو۔

حوالہ جات وحواشی

[1] سعید، ایڈورڈ، شرق شناسی، مترجم، طبع اول، 2005ء، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ص:85

[2] مطبقانی، مازن بن صلاح، ڈاکٹر، الاستشراق، قسم الاستشراق، کلیۃ الدعوۃ، مدینہ منورہ، س-ن، ص:3

[3] محمد زبیر، ڈاکٹر، اسلام اور مستشرقین، لاہور، مکتبہ رحمۃ للعالمین، 2014ء، ص:13

[4] السباعی، ڈاکٹر مصطفی، الاسلام والمستشرقون، مترجم مولانا سلمان شمسی ندوی، ادارہ اسلامیات لاہور، 1971ء۔ص:12

[5] Asad. Muhammad,Islam at the crossroads. Lahore. Arfat Publication.1995.P-74

[6] سباعی، ڈاکٹر مصطفی، الاسلام والمستشرقون، ص:13

[7] اسلام اور مستشرقین، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی (الہند)، ج5، ص:4

[8] محمد ارشد، اسلام اور مغرب، سہ ماہی فکرو نظر، اپریل۔جون 2006ء، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ص:33

[9] عبدالستار فتح اللہ، ڈاکٹر، الغزو الفکری والتیارات المعادیۃ للاسلام، مکتبۃ المعارف، ریاض، طبع دوم، 1399ھ، ص:26

[10] محمد غزالی، دفاع عن العقیدہ والشریعۃ ضد مطاعن المستشرقین، دار الکتب الحدیثہ، مصر، طبع سوم، 1384ھ، ص:14-13

[11] حامدی، خلیل احمد (مرتب)، نظام اسلام مشاہیر اسلام کی نظر میں، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، 1963، ص452۔

[12] 45:MaryamJameelah, “islam and modernism”, Lahore 1977, p239.

[13] ZiyaFokalp, “Turkish Nationalism And Western Cicilization”, New York 1959, p 60, 271, 302

[14] شاہد فریاد، ڈاکٹر، سیکولرازم، ایک تعارف، کتاب محل، لاہور، 2018ء، ص:59

[15] R. Bell, The origin of Islam in its Christian Environment, London, 1926, p.120

[16] A.J Arberry. The Koran interpreted, paperback edition, Oxford,1983, introduction. P:11, 36, 46, 117, 172, 572, 582

[17] A.J Arberry. The Koran interpreted, paperback edition, Oxford,1983, introduction. P:270

[18] Fyzee, Asaf A, “A ModrenApproch to Islam”, Bombay, asia publishing House, 1963, p107

[19] طہ حسین، ڈاکٹر: مستقبل الثقافۃ فی مصر، قاہرہ، 1938، ص31-44

20 طہ حسین، ڈاکٹر، الادب الجاھلی، قاہرہ، 1927، ص65-68۔

21 چارلس سی آدم، اسلام اور تحریک تجدد مصر میں (مترجم، عبدالحمید سالک)، لاہور، مجلس ترقی ادب، 2002، ص370، 373،374